

قتل عمد کی سزا

مذہب و اخلاق کی رو سے انسانی جان کو ہمیشہ حرمت حاصل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پوری صراحت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ کوئی شخص کسی کو قتل نہ کرے، یہ شرک کے بعد سب سے بڑا جرم ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل کو یہی حکم اس تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک انسان کا قتل درحقیقت پوری انسانیت کا قتل ہے۔ تالمود میں یہ فرمان کم و بیش انہی الفاظ میں آج بھی موجود ہے۔ سورہ مائدہ میں قرآن نے اسی کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآءَ يَلُ
أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي
الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا.
” (انسان کی) یہی (سرکشی) ہے جس کی وجہ سے ہم
نے (موسیٰ کو شریعت دی تو اُس میں) بنی اسرائیل پر
بھی فرض کر دیا کہ جس نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، اس
کے بغیر کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں کوئی فساد
(۳۲:۵)

برپا کیا ہو تو اُس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔“

اس فرمان سے واضح ہے کہ کسی انسان کی جان دو ہی صورتوں میں لی جاسکتی ہے: ایک یہ کہ وہ کسی کو قتل کر دے، دوسری یہ کہ نظم اجتماعی سے بغاوت کر کے وہ دوسروں کے جان و مال اور آبرو کے درپے ہو جائے۔ زمین میں فساد برپا کرنے کی تعبیر آیت میں اسی مفہوم کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ اس کے سوا ہر قتل ایک ناحق قتل ہے جس کا ارتکاب اگر کوئی شخص کرتا ہے تو اسلام اور اسلامی شریعت کی رو سے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی مجرم ہے، مقتول کے وارثوں کا بھی اور حکومت اور معاشرے کا بھی۔

(البقرہ ۲: ۱۷۸-۱۷۹) بدلے میں وہی عورت... اور تمہارے لیے قصاص میں

زندگی ہے، عقل والو، تاکہ تم حدود الہی کی پابندی کرتے رہو۔“

یہ فرضیت صرف اُس صورت میں ختم ہوتی ہے، جب مقتول کے ورثا جان کے بدلے میں جان کا مطالبہ نہ کریں اور مجرم کے ساتھ نرمی برتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد عدالت اور حکومت کا اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص پر اصرار کرے اور مقتول کے وارثوں کی طرف سے کی گئی رعایت کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور چاہے تو جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے پیش نظر یہ رعایت قبول کر لے اور قاتل کو حکم دے کہ وہ مقتول کے وارثوں کو دستور کے مطابق دیت ادا کرے۔ سورہ بقرہ (۲) کی جو آیت ۱۷۸ اور نقل ہوئی ہے، اُسی میں آگے فرمایا ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ
بِالْمَعْرُوفِ وَأَدِّ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ
تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

”پھر جس کے لیے اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ
رعایت کی جائے تو دستور کے مطابق اُس کی پیروی کی
جائے گی اور جو کچھ بھی خون بہا ہو، وہ خوبی کے ساتھ
ادا کر دیا جائے گا۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے
ایک قسم کی رعایت اور تم پر اُس کی عنایت ہے۔“

یہ، اگر غور کیجیے تو بالکل اُسی اسلوب میں رخصت کا بیان ہے، جس طرح روزے کی آیتوں میں ہے کہ ایمان والوں پر روزے فرض کیے گئے ہیں، لیکن کوئی مریض یا مسافر ہو تو وہ روزے چھوڑ سکتا ہے۔ اس صورت میں یہ چھوڑے ہوئے روزے اُسے بعد میں پورے کرنا ہوں گے۔ چنانچہ دیکھیے، وہاں ارشاد ہے کہ ”ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں“، یہاں فرمایا ہے کہ ”ایمان والو، تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے“۔ وہاں ارشاد ہے کہ ”پھر جو مریض یا مسافر ہو“، یہاں فرمایا ہے کہ ”پھر جس کے لیے اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ رعایت کی جائے“۔ وہاں ارشاد ہے کہ ”وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے“، یہاں فرمایا ہے کہ ”دستور کے مطابق اُس رعایت کی پیروی کی جائے“۔ قرآن کے طلبہ دونوں آیتوں کو بالمقابل رکھ کر دیکھ سکتے ہیں کہ دونوں میں جملوں کی تالیف بالکل ایک ہی ہے اور دونوں میں رعایت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے، اُسے لازم نہیں کیا گیا۔ لہذا جس طرح وہاں مسلمان پابند نہیں ہو گئے کہ سفر یا مرض کی حالت میں روزہ لازماً چھوڑ دیں، اُسی طرح یہاں بھی حکومت اور معاشرہ جن پر قصاص فرض کیا گیا ہے، ہرگز اس کے پابند نہیں ہوئے کہ مقتول کے وارثوں نے اگر رعایت کا فیصلہ کیا ہے تو اُسے لازماً قبول کر لیں۔ اُن کی طرف سے رعایت کے بعد قصاص کی فرضیت ختم ہوئی ہے، اُس کا جواز ختم نہیں ہوا۔

چنانچہ حکومت اور معاشرے کو پورا حق ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے پیش نظر وہ قصاص ہی پر اصرار کریں اور اس رعایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

قرآن کا یہی مدعا ہے جس کے پیش نظر ان آیتوں کا ترجمہ ”البیان“ میں اس طرح کیا گیا ہے:

”ایمان والو، (تم میں) جو لوگ قتل کر دیے جائیں، اُن کا قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ قاتل آزاد ہو تو اُس کے بدلے میں وہی آزاد، غلام ہو تو اُس کے بدلے میں وہی غلام، عورت ہو تو اُس کے بدلے میں وہی عورت۔ پھر جس کے لیے اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ رعایت کی جائے (تو اُس کو تم قبول کر سکتے ہو، لیکن یہ قبول کر لی جائے) تو دستور کے مطابق اُس کی پیروی کی جائے گی اور جو کچھ بھی خون بہا ہو، وہ خوبی کے ساتھ اُسے ادا کر دیا جائے گا۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک قسم کی رعایت اور تم پر اُس کی عنایت ہے۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اُس کے لیے (قیامت میں) دردناک سزا ہے — اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، عقل والو، تاکہ تم حدود الہی کی پابندی کرتے رہو۔“ (البقرہ ۸۵: ۱۷-۹)

اس سے واضح ہے کہ قرآن کو اس بات پر تو یقیناً اصرار ہے کہ وارثوں کی مرضی کے بغیر قاتل کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی، لیکن اس بات پر ہرگز اصرار نہیں ہے کہ وہ نرمی برتنے پر تیار ہو جائیں تو اُسے چھوڑنا ضروری ہے۔ یہ فرق نہایت حکیمانہ ہے۔ دوسری بات پر اصرار کیا جائے تو معاشرے کا حق تلف ہوتا ہے اور وہی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جس کا ہم ریمینڈ یوس اور شاہ رخ جتوئی کے معاملے میں ماتم کر رہے ہیں اور پہلی بات پر اصرار نہ کیا جائے تو وارثوں کا حق تلف ہوتا ہے اور وہ حکمت باطل ہو جاتی ہے جو اس پورے قانون میں ملحوظ ہے کہ مقتول کے وارثوں کی آتش انتقام بجھا دی جائے اور اُن کے زخم کا اس طرح اندمال کیا جائے کہ اگر وہ کوئی نرم رویہ اختیار کریں تو قاتل اور اُس کے خاندان پر یہ اُن کا براہ راست احسان ہو جس سے نہایت مفید نتائج کی توقع ہو سکتی ہے۔

ہمارے فقہاء کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھا اور اس طرح قتل جیسے سنگین جرم کو معاشرے سے بے تعلق کر کے محض قاتل اور مقتول کے اولیا کے مابین ایک قضیہ بنا دیا ہے۔ قصاص اور دیت کا قانون فقہاء کی اسی رائے پر مبنی ہے۔ اس قانون میں جلد سے جلد ترمیم کر کے اسے ہر لحاظ سے کتاب الہی کے مطابق کر دینا چاہیے۔ ہم اپنے ایمان و عقیدہ کی رو سے قرآن و سنت کے پابند ہیں، اُن کی کسی خاص تعبیر کو ماننے کے ہرگز پابند نہیں ہیں۔ علما سے ہماری درخواست ہے کہ وہ بھی ان معروضات پر غور فرمائیں۔ یہ خدا کے دین کا معاملہ ہے، اسے ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر دیکھنا چاہیے۔